(قسط ۵۸) مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی
۱۹۸۳ء کی ڈائری: استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق مدظلہ کی ذاتی ڈائری

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مولانا شمس الحق افغانیؒ کی رحلت پر تاثرات

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ و اقارب، اہل محلہ و گردو پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ، تحقیقی عبارت، علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوقِ مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں...... (مرتب)

دارالعلوم شرعیہ بنوں کے طلباء کا ختم بخاری

۴ مئی ۸۳ء: دارالعلوم شرعیہ بنوں کے مہتمم مولانا حضرت علی صاحب مدظلہ دورہ حدیث کے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے ،تاکہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ سے ختم بخاری کی سعادت حاصل کریں،لہٰذا ایک پروقار تقریب منعقد ہوئی ،حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا جسے مولانا انوارالحق صاحب نے قلمبند کیا، طلباء کو اجازت حدیث مرحمت فرمانے کیساتھ ساتھ انکی درخواست پر دستار بندی بھی کرائی ،اسی طرح مختصر اقامت کے بعد طالبان علم نبوت کا یہ قافلہ بنوں لئے روانہ ہوا۔

قدیم گھر کی بیٹھک:

۱۹ مئی ۱۹۸۳ء ۶ شعبان ۱۴۰۳ھ قدیم گھر جہاں والد ماجد رہتے ہیں ان کی بیٹھک ہے بے حد

فرسودگی کی وجہ سے بالآخر گرا ہی دیا گیا جو خود گرا ہی چاہتا تھا اب تک اس کی لیپا پوتی اور مرمت ہوتی رہی اور حضرت اسے پختہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے تھے یہ بیٹھک گویا نصف صدی تک اعیان علم وفضل کی مہمان گاہ اور اقامت گاہ رہی حضرتؒ کا مطالعہ گاہ بھی یہی تھا اور ملاقاتیوں کا ویٹنگ روم بھی اور وفود سے ملنے کی جگہ بھی اور بارش یا عوارض کی وجہ سے کبھی کبھی حضرت کی درس گاہ بھی ،اس تاریخی بیٹھک کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ،حضرت مولانا مجاہد الکبیر حاجی ترنگ زئی مرحوم ، مولانا نصیرالدین غورغشتوی،مولانا احمد علی لاہوری،امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس عہد کے تقریبا تمام اجلہ علم وفضل کی استراحت گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔وزراء حکام اور گورنر بھی اس میں خاک نشیں ہوتے رہے اس ٹوٹے پھوٹے مٹی گارے کی بنی ہوئی بیٹھک میں سب یکساں فروکش ہوتے۔۲۰،۲۵مہمانوں کا ڈائننگ حال بھی یہی ہوتا ،چارپائی ہٹوا کر زمین پر دسترخوان بچھا کر تنگ تنگ مہمان سما جاتے حضرت بسا اوقات خود کھڑے رہتے اور مہمانوں کی خدمت کرتے حضرت مدظلہ کو طبعی طور پر اس کے ساتھ طبعی لگاؤ تھا اس لئے اس کی تجدید وتبدیلی پسند نہ کی دو کھڑکیاں ایک دروازہ مشرقی گلی میں اور ایک شمالی دروازہ گھر کی گلی میں کھلتا تھا دیواریں کچے گارے اور پتھر کی مغربی دیوار میں دو الماریاں نصب تھیں جو حضرت کی کتابوں سے بھری ہوتیں تین چارپائیاں بچھادیتے تو اس میں سات آٹھ آدمی بمشکل بیٹھ سکتے چارپائی کے پائنتی کے کونے میں وضو خانہ بھی یہی تھا۔یہ بیٹھک بھی گھر کی تعمیر کے ساتھ جدامجد مرحوم نے بنائی تھی گرانے سے قبل میں نے عزیزم شفیق فاروقی سے اس تاریخی غربت کدہ کی تصاویر اتروائیں میرے عنفوان شباب کا بڑا حصہ بھی اسی میں بسر ہوا یہ بیٹھک اسی نقشہ پر اب بھی ہے مگر پختہ ہے۔

(بچپن اور بدوشعور کے زمانہ میں احقر کو بھی اس بیٹھک میں بڑے اکابر علماء وزعماء وصلحاء اور شیخ الحدیث کے ہزاروں معتقدین کی جوتیاں سیدھی کرنے اور زیارت ومیزبانی کے لوازمات انجام دینے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔عرفان الحق)

حرکت انقلاب اسلامی کے زیر اہتمام افغانی فضلاء کی دستار بندی میں شرکت

۲۰رمئی: حرکت انقلاب اسلامی افغانستان کے زیر اہتمام افغانستان سے تعلق رکھنے والے ،فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کیلئے محمدی مسجد گلبہار پشاور میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا،طلباء میں اکثریت مذکورہ تنظیم سے تعلق رکھتی تھی،جنہوں نے دارالعلوم حقانیہ سے تعلیم حاصل کی تھی ،منتظمین کے شدید اصرار پر احقر اور مفتی اعظم دارالعلوم حقانیہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب نے اجتماع میں شرکت کی،اور جہاد کے موضوع

پر خطاب بھی کیا اور دستار بندی میں بھی شریک رہے۔ میری تقریر کا کچھ حصہ اگلے روز مشرق اخبار میں شائع بھی ہوئی اس موقع پر مولانا صبغۃ اللہ مجددی جو کہ افغان جہاد کے ایک زعیم ہیں، سے گفتگو بھی ہوئی انہوں نے کسی وقت دارالعلوم حاضری کی خواہش بھی ظاہر کی۔

جزائر مالدیپ کے مشیر مذہبی امور کی آمد

۳؍جون: سربراہ مالدیپ کے مشیر مذہبی امور شیخ الاسلام محمد جمیل صاحب زیدی مطالعاتی وتعارفی دورہ میں دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور اہم امور پر تبادلہ خیال کیا، جہاں حضرت شیخ الحدیث نے انہیں ضیافت بھی دی، اگرچہ دارالعلوم میں عام تعطیلات تھیں تاہم حضرت شیخ الحدیث کی ملاقات اور دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات دیکھنے سے بے حد خوش ہوئے، اور کتاب الاراء میں اپنی گراں قدر رائے بھی تحریر فرمائی۔

تعزیتی اجتماع میں شیخ الحدیث کا قاری طیب قاسمی کو خراج عقیدت

حضرت قاری محمد طیب مرحوم کے سانحہ ارتحال کے موقعہ پر حضرت مولانا عبدالحقؒ کا تعزیتی اجتماع سے خطاب کا اقتباس:

محترم بھائیو! اکابر دیو بند کا ذکر بھی اسی مناسبت سے چل پڑا ہے کہ ابھی پچھلے دنوں دارالعلوم دیو بند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ ایک پاکباز اور باکردار انسان تھے۔ حضرت مولانا قاسم العلومؒ کے علوم (جبکہ ان کی ہر کتاب علوم ومعرفت کی ایک بحر ذخار ہے اور انکی تصنیفات جو علم الکلام، علم الحدیث پر لکھی گئی ہیں، کو سمجھ لینا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے) کے ترجمان تھے۔ الولد سر لابیہ کا مظہر تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ اکابرین دیو بند کے علوم بالخصوص علوم قاسمیہؒ، علومِ شیخ الہندؒ اور علومِ تھانویؒ کا ایک عظیم خزانہ، جامع ماہر اور شارح تھے، تحریر وتقریر میں ان کو زبردست ملکہ حاصل تھا اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ دارالعلوم دیو بند کو جو خدا تعالیٰ نے علمی لحاظ سے، طلباء کے لحاظ سے اساتذہ اور علماء کے لحاظ سے، اقتصادیات اور تعمیرات کے لحاظ سے اور ہر لحاظ سے جو خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور ترقیات سے نوازا ہے، یہ سب کچھ حضرت قاری صاحبؒ کے دور اہتمام اور ان کے زیر نگرانی انجام کو پہنچا ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے زمانہ میں حضرت العلام مولانا انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم دیو بند کے صدر مدرس رہ چکے ہیں، پھر ان کے بعد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین مدنیؒ حضرت قاری صاحبؒ ہی کے زمانہ اہتمام میں تدریس کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیو بند نے اس زمانہ میں جو عروج اور ترقی حاصل کی ہے، یہ تاج اور اس کا سہرا حضرت قاری صاحب مرحوم کی مساعی جمیلہ کے سر ہے اور یہ ان ہی کے مخلصانہ شبانہ روز مساعی کا ثمرہ ہے۔ بہر تقدیر

حضرت قاری صاحبؒ ایک پاکیزہ شخصیت، جامع العلوم اور بہترین کمالات سے متصف تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خاندان میں اور ان کے دیگر نائبین کے خاندان میں حضرت قاری صاحبؒ والے تمام اوصاف و کمالات پیدا فرمادے اور خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس خلا کو پورا فرمادے۔ آج شہر شہر بستی بستی، قریہ قریہ جو آپ کو یہ دینی علوم کے مدارس و مراکز نظر آتے ہیں اور ہر گاؤں اور ہر بستی میں جو آپ کو دارالعلوم دیو بند کا فاضل، اکابر اساتذہ کا تلمیذ یا تلمیذ التلمیذ نظر آتا ہے یہ سب دارالعلوم دیو بند کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب دارالعلوم دیو بند ہی کی برکات ہیں۔ ایشیا بھر میں پھیلے ہوئے مدارس، ان کے اساتذہ و منتظمین کا تعلق بغیر واسطہ کے یا بلاواسطہ دارالعلوم دیو بند سے وابستہ ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اور اسکے بانی سے تعلق:

حضرت قاری صاحب مرحوم دارالعلوم حقانیہ سے حد سے زیادہ شفقت اور حد سے زیادہ محبت تھی جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو دارالعلوم حقانیہ ضرور تشریف لاتے جب ہم سالانہ جلسہ دستار بندی کرتے (جو اب کافی عرصہ سے سالانہ اجتماع اور دستار بندی وغیرہ کا نظام متروک ہو چکا ہے، بفضل اللہ حلقہ کی وسعت اور فضلاء کی کثرت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ جس کی وجہ سے جلسہ کا کنٹرول ایک بڑی سطح کے منصوبہ اور بڑے پیمانہ کے انتظام کے بغیر انجام کو نہیں پہنچ سکتا) تب بھی حضرتؒ تشریف لاتے، ایک مرتبہ اس سامنے والی گیلری (دارالحدیث کے سامنے برآمدے کے اوپر والا بالاخانہ یا گیلری جو کافی عرصہ تک حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی قیام گاہ رہا ہے) میں بھی قیام فرمایا اور غالباً ایسے ہی ایک موقعہ پر جب آپ نے دارالعلوم حقانیہ اور اس کے مختلف شعبوں اور طلبہ کی قیام گاہوں کے مختلف احاطوں کا معائنہ کیا تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے ارشاد فرمایا۔ ''مجھے دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیو بند سے جدا نظر نہیں آتا، بلکہ دارالعلوم حقانیہ نے دارالعلوم دیو بند کو اپنے ضمن میں لے رکھا ہے، سارے پاکستان میں دارالعلوم دیو بند کے نمونہ اور نقش قدم پر دارالعلوم حقانیہ گامزن ہے اور یہ دیو بند ثانی بن چکا ہے''۔

اور ایک مرتبہ تو یہاں تک فرمایا کہ: ''میں دارالعلوم حقانیہ آکر یوں محسوس کرتا ہوں جیسے دارالعلوم دیو بند آگیا ہوں اور گویا اپنے گھر میں موجود ہوں''۔ یہ تاثرات دارالعلوم کی کتاب الآراء میں بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ بہرحال یہاں آکر حد درجہ خوشی اور محبت کا اظہار فرماتے اور جو نئے مسائل پیش آتے اس میں بھی دارالعلوم حقانیہ کی رائے کو شامل فرمالیتے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرتؒ کو دارالعلوم حقانیہ خاص کر مجھ ناچیز پر حد درجہ شفقت تھی۔ دارالعلوم دیو بند میں میں نے جو زندگی کے لمحات گذارے ہیں خاص کر تدریس کا زمانہ جو تقریباً ساڑے

چار سال ہے اور اس زمانہ میں ہر فن میں تقریباً کوئی ایسی کتاب نہ ہوگی جو میں نے نہ پڑھائی ہو۔ دیگر اساتذہ کی شفقت و محبت کے باوجود چونکہ اختیارات مہتمم صاحب کے ہوتے ہیں تو حضرت مہتمم صاحبؒ ہر معاملہ میں ترجیحی سلوک میرے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ اسباق اور تدریس کا مسئلہ بھی یوں تھا کہ جب بعض اساتذہ حج کو تشریف لے جاتے یا کسی اور عذر سے وہ اسباق نہ پڑھا سکتے تو ان کے اسباق اور کتابیں (جو زیادہ تر فقہ، حدیث، فلسفہ، منطق، معانی اور تفسیر کی ہوتی تھیں) کی تدریس کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دی جاتی اور فرماتے کہ یہ نوجوان ہے اور کام اچھا چلا سکتا ہے اور یہ محض ان کا حسن ظن تھا۔ تو حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے بحیثیت مہتمم دارالعلوم دیوبند مجھ ناچیز پر جو شفقت فرمائی ہے اور خاص کر دارالعلوم حقانیہ سے اور ایک موقعہ پر فرمایا کہ ”دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند کا بیٹا ہے“۔

حضرت قاری صاحب مرحوم دارالعلوم حقانیہ کو بہت ترجیح دیتے تھے اور اس کے ذکر پر فخر فرمایا کرتے تھے اور یہ خدا تعالیٰ کا اپنا فضل و کرم ہے کہ تمام اکابر اساتذہ، دارالعلوم دیوبند کو دارالعلوم حقانیہ سے ایک خاص محبت تھی، اور سب فرماتے کہ ”یہ ہمارا اپنا دارالعلوم ہے“۔

حضرت قاری صاحب مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ دارالعلوم دیوبند کو ترقی اور عروج کے بلند معیار پر پہنچا دینا ہے کہ آج تمام دنیا کے لیے دیوبند مشعل راہ ہے۔ تکثیر علماء، تکثیر طلباء، تدوین کتب اور تعمیرات ہر لحاظ سے دارالعلوم دیوبند ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ جس کی خدمات اور شہرہ کالشمس فی نصف النھار ہے۔ آج ہم اُن کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے ہیں یہ تمام اہل علم کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند تمام اہل علم کی مادر علمی ہے۔ اس لیے دارالعلوم حقانیہ کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ میں کیا عرض کروں؟ حضرت قاری صاحب کی وفات سے ہمارے قلوب کو صدمہ پہنچا۔ ہم ایک بڑے مشفق، ایک بڑے مہربان، ایک بڑے تجربہ کار، بڑے عالم اور خاص کر دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے حامل سے محروم ہو گئے۔ قیامت کی علامات سے من جملہ ایک علامت یہ بھی ہے کہ یرفع العلم، جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے کہ جب علم ناپید ہو جائے اور لوگ علوم دینیہ سے محروم ہو جائیں تو دین ختم ہو جائے گا۔ دین ہم کو علم ہی بتلاتا ہے۔ ہم جو یہاں جمع ہوئے ہیں ہمارا مقصد علم حاصل کرنا ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام و مسائل سیکھ لیں، جب مسائل معلوم ہو جائیں تو اولا ان پر خود عمل کریں، پھر ان کی حفاظت و اشاعت کی کوشش کریں۔ اسی تبلیغ و اشاعت کے نتیجہ میں انشاء اللہ عالم آباد رہے گا اور اگر یہ کام چھوڑ دیا جائے تو عالم برباد ہو جائے گا .....

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

قاری محمد طیب قاسمیؒ کے وفات پر احقر کے تعزیتی تاثرات

داغِ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اُک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

دارالعلوم دیو بند کی محفلِ دوشین کا وہ چراغِ سحر جو پچھلے دو سال سے حوادث و انقلابات زمانہ کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر بھی ٹمٹمار ہا تھا، بالآخر شوال ۱۴۰۳ھ کے پہلے ہفتہ میں ہمیشہ کے لیے خموش ہو گیا، یعنی حکیم الاسلام، مظہر انوارِ قاسمیہ، مسند نشین جامعہ دیو بندیہ، ترجمانِ حقائقِ اسلامیہ مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس اللہ سرہ العزیز نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور دیو بندی مکتب فکر کے اس میر مجلس کے بساط لپیٹ دینے سے محفلیں اجڑ گئی ہیں اور ہر سُو دوحشت اور ویرانگی کا سا عالم ہے۔ اب اُس دور کا بالکل خاتمہ ہو گیا ہے جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی (رحمہم اللہ) کا یادگار تھا۔ ان کی ذات ان اکابر کی نہ صرف بقیۃ السلف نشانی تھی بلکہ ان کی ذات میں ان تمام اکابر و اساطین دیو بند کی نسبتیں جمع تھیں اور وہ زندگی بھر اپنی ذاتی، حسبی اور نسبی گوناگوں خصائص و کمالات کے وجہ سے ان تمام اکابر کے محبوب بن چکے تھے۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ شاید آپ دارالعلوم دیو بند چھوڑ کر پاکستان سکونت اختیار کر لیتے ادھر اکابر دیو بند باصرار آپ کو دوبارہ دیو بند کھینچ لائے تو استقبالیہ تقریب میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دیدۂ پُرنم اور گلوگیر آواز میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا: .....

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا می روی

بلاشبہ ان کی ذات محبوبیت میں تماشا گاہ عالم تھی، وہ اس گلشن علم و معرفت کے مالی اور شجرۂ طوبیٰ کے امین تھے جس کے لیے حجۃ الاسلام ولی اللہ دہلویؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی، جس کی داغ بیل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ڈالی اور جس کی آبیاری میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامۃ العصر انور شاہ کشمیریؒ اور مجاہد اعظم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے عمائدین امت نے اپنی زندگی تج دی۔ یہ امانت جب آپ کے ہاتھوں میں آئی تو پون صدری کے طویل اور صبر آزما شبانہ روز جدوجہد، خداداد اہلیت و صلاحیت، اخلاص و دیانت اور والہانہ جہد و عمل کے ساتھ آپ نے اس مدرسہ علم کو ایک ایسے جامعہ میں تبدیل کر دیا جس کے انوار و تجلیات سے ایک عالم جگمگا اٹھا اور وہ اس امانت سے الگ ہو کر جب دنیا سے

رخصت ہوئے تو دیو بند کا وہ سرچشمہ علم علوم نبوت کا ایک بحر ذکار بن کر علم و دانش کی پوری دنیا سے اپنی برتری اور فضیلت کا لوہا منوا چکا تھا۔

آپ حضرت بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے مولانا محمد احمد مہتمم خاص کے صاحبزادے تھے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خصوصی تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت اور حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، پورے طبقہ کے محبوب و منظور نظر اور مرکز علمی کی سیادت کے لحاظ سے پوری جماعت کے سید الطائفہ تھے۔ علمی فیض کے علاوہ بیعت و ارشاد کے میدان میں بھی لاکھوں مسترشدین کے روحانی رہبر و راہنما تھے۔ ۱۳۳۷ھ میں درس نظامی سے فراغت پائی اور دارالعلوم دیو بند میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔ ۱۳۴۸ھ سے لیکر وفات سے کچھ عرصہ قبل تک اس مرکز علم و ہدایت کی سیادت آپ کو حاصل رہی۔ نیرنگیٔ زمانہ یا چرخ نیلگوں کی ستم ظریفی کہیئے کہ زندگی بھر علم وحکمت کے جس ''تاج محل'' (دارالعلوم دیو بند) کی آرائش و تزئین میں مصروف رہے۔

جب وہ بناء عظیم جشن صد سالہ کی شکل میں عظمت و ترقی کے اوج کمال کو چھونے لگی تو اس عمارت کا یہ ''شاہجہان'' جدائی اور مہجوری کے داغ لیے ہوئے اس دنیائے رنگ و بو سے الگ ہو گیا، جو کچھ پیش آیا گو اس کے محرکات ان کے عہد اہتمام کی طرح دیرینہ اور قدیم تھے۔ اور مشیتِ ایزدی کے سامنے کس کی چلتی ہے مگر پھر بھی بے اختیار جی میں آتا ہے کہ کاش یہ صورتحال دو ایک سال مزید پیش نہ آتی اور دارالعلوم دیو بند کا یہ جرنیل ان ہی عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ اور انہی قدر شناسیوں کے ساتھ ہم سے رخصت ہوا ہوتا جو زندگی بھر ہم سب نے انہی کیلئے مخصوص کر رکھی تھیں اور جس کے وہ سزوار تھے کہ سالارِ کاروان کی شوکت و سطوت پوری جماعت اور قافلہ کی شان بڑھاتی ہے ولکن ماشاء اللّٰہ کان وما لم یشاء لم یکن۔

حکیم الاسلامؒ نسبی اور روحانی رشتوں کے ساتھ ساتھ علم وحکمت کے لحاظ سے اپنی ذات سے بھی ایک انجمن تھے، ان کے علوم و تصانیف اور خطبات، حکمت ولی اللہی اور معرفت نانوتویؒ کے اُبلتے ہوئے سرچشمے ہوتے تھے۔ اسرار دین کی تشریح اور موزِ شریعت کی ترجمانی میں ان کا شمار گنے چنے حکماء اسلام میں ہوسکتا ہے۔ ان کی ہر تقریر حقائق و معارف کا ایک سمندر اور ہر تحریر اسرار و نکات کی ایک دنیا اپنے اندر لیے ہوئے تھی۔ ان کے خطبات سے نہ صرف برصغیر کا گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے علاوہ افریقہ اور یورپ کی دور دراز بستیاں بھی مستفید ہوئیں۔ دین اور مادر علمی دیو بند کی آواز پہنچانے میں زندگی کا اکثر حصہ طویل اسفار کی نذر ہوا۔ اسلام کے اہم اور عصر حاضر کے جدید مسائل پر ایک سو سے زائد تصانیف چھوڑیں۔

حدیث وتفسیر اور فن حقائق واسرار کی کتابیں اکثر زیر درس بھی رہتیں۔ دعوت و بیان کا انداز حکیمانہ، تصنیف و تالیف کی شان فلسفیانہ ہونے کے باوجود شعر وسخن میں بھی اعلیٰ ذوق اور ثقہ انداز رکھتے تھے۔ ان کی مثنویاں، قصائد اور فصیح و بلیغ نظمیں، اعلیٰ ترین ذوق سخن کی غمازی کرتی ہیں۔

الغرض وہ اپنے جامع الصفات اکابر و اسلاف کے کمالات ومحاسن، نجابت وسعادت، شرافت و دجاہت، فضل وکمال، اخلاق وشرافت، وقار وتمکنت، فکر واصابت، تواضع ومتانت کا ایک پیکر جمیل اور دیو بند کی اعلیٰ روایات کا ایک مرقع اور ظاہری لطافت ونظافت اور حسن و پاکیزگی کا ایک مجسمہ تھے۔ ان کا ماتم ان سب صفات کا ماتم ہے، پوری قوم اور پوری ملت کا ماتم ہے، دنیائے علم وفضل کا ماتم ہے۔ درسگاہوں، جامعات اور خانقاہوں کا ماتم ہے۔ اور دارالعلوم حقانیہ کے لیے بھی اس لحاظ سے ایک عظیم ماتم کہ دارالعلوم اور اس کے بانی مدظلہٗ کے ساتھ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے علائق و روابط اور خصوصی عنایات وتوجہات کی داستان تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔

ع کبھی فرصت میں سُن لینا بڑی ہے داستان میری

الوداع اے فخر دین وملت، الوداع اے خادم حصنِ اسلام، الوداع اے شارح علوم قاسمیہ، االوداع اے امین گلشن علوم نبویہ، الوداع اے میر کارواں، الوداع تیری تُربت پر ہزاروں رحمتیں ہوں اور تو رب کریم کی بے پناہ لطف وکرم سے مالا مال ہو۔

نذر اشک بے قرار ازمن پذیر
گریۂ بے اختیار ازمن پذیر

یرد اللّٰہ مضجعك و نورضریحك و انزل علیك شآبیب رحمتك

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کا حضرت افغانیؒ کے جنازہ پر خطاب

حضرت علامہ شمس الحق افغانی ایک جامع العلوم ہستی

۱۶/اگست ۱۹۸۳ء: کو حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کا وصال ہوا نماز جنازہ اسی دن شام ۶ بجے ان کے آبائی گاؤں ترنگزئی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے پڑھائی اور نماز کے بعد جنازہ کے شرکاء سے مختصراً حسب ذیل خطاب بھی ارشاد فرمایا:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم موت العالم موت العالم

حضرت مولانا مرحوم کی جدائی ہم سب کیلئے صوبہ سرحد اور پاکستان کیلئے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کیلئے ایک

انتہائی صدمہ ہے، حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کی اس وقت اس زمانہ میں مثال اور نظیر علم میں کوئی پیش نہیں کرسکتا، اپنے دور میں بے نظیر اور بے مثال تھے، ایسی پاکیزہ اور جامع العلوم ہستی ہم سے جدا ہوگئی مولانا نہ صرف قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے ایک بڑے عمیق بلکہ موجودہ دور کے سیاسی اقتصادی اور دیگر جدید مسائل کے بھی جید عالم تھے، یورپ نے جو گندگی پھیلائی اسکے ازالہ کا مولانا مرحوم کو ایک خاص ملکہ تھا، وہ ایک بے مثال مینار تھے، کسی ایک فن کا نہیں بلکہ دور جدید کے سارے مسائل کا حل اور تجاویز رکھتے تھے، ہم سے جب بھی کسی نے ایسے جامع عالم کے بارہ میں پوچھا تو فوراً مولانا مرحوم کا نام ہی سامنے آتا، عوام کو ان کی قدر معلوم نہیں کہ مولانا کیا شان رکھتے تھے کہ

ع قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری

وہ بلاشبہ علوم کے سمندر تھے علوم قدیم وجدیدہ کے تحریر وتقریر سے دین کی وضاحت اور تشریح کرنے والے تھے، ترجمان دین تھے، یہاں گھر پر تو کم ہی رہے، دیوبند میں جو عالم اسلام کیلئے مرکز علوم اسلامیہ ہے، ان کا علمی شان ظاہر ہوا، جیسے امام بخاری اور دیگر اسلاف کسی شہر بصرہ، کوفہ وغیرہ سے گذرتے تو وہاں کے لوگ علمی شان معلوم کرنے کیلئے امتحان لیتے، تو حضرت افغانی جب دیوبند تشریف لائے تو سینکڑوں علماء وطلباء مختلف النوع مسائل میں تفتیش وتحقیق کرنے لگ جاتے آپ ایسے شافی جواب دیتے کہ سب کہنے لگتے کہ ان کے بارہ میں جو کچھ سنا تھا، اس سے بہت بلند پایا یہ تو بحر ذخار ہیں ایک ایک بات موتی اور جوہر کی طرح ہوتی، ایسا معقول انداز بیان ایسی فصاحت وبلاغت کہ حیرت ہوتی۔

تو بھائیو! آج ہم سب، خصوصاً پاکستان ایک مایہ ناز اور سرمایہ افتخار عالم سے محروم ہوگیا، جو واقعی وارث الانبیاء تھا، العلماء ورثۃ الانبیاء آج اس وارث الانبیاء ہستی سے ہم محروم ہوگئے، تو جتنے بھی روئیں جتنا بھی افسوس کریں، اور جتنا بھی حسرت کریں کم ہے، آج ہم یتیم ہوگئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ عالم کی موت عالَم کی فنا ہے، فرمایا قیامت سے قبل علماء اٹھالئے جائیں گے، اور جب علماء سے مخلوق محروم ہوجائے گی، اور دین سکھانا بند ہوگا، تو دین پر عمل بھی بند ہوجائے گا تو قیامت کیوں قائم نہ ہو، آج ہم باعمل عالم ایک محقق عالم اور محدث اور ماہر علوم قدیم وجدیدۃ اور ہر باطل کے مقابلہ کیلئے دلائل کا انبار لگانے والی ہستی کے سایہ سے محروم ہوگئے ہیں، حق تعالیٰ ان کو درجات عالیہ اور مقامات قرب سے نوازے، اور ان کی برکات وفیوضات سے ہم سب کو مالا مال کرے۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی کی وفات پر مولانا سمیع الحق کے تعزیتی تاثرات

وادریغا۔ کہ ابھی ہم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ۱۶/اگست منگل کی شام کو عین غروب آفتاب کے ساتھ ہم نے علم و معرفت کا ایک اور آفتاب بھی سپرد خاک کر دیا۔ ایک کے غروب سے کائنات رنگ و بو پر تاریکی چھا گئی تو دوسرے کے پنہاں ہونے سے کائنات علم و فضل میں ظلمت آ گئی۔ علامۂ یگانہ، محقق زمانہ، متکلم اسلام، شمس العلوم والمعارف فیلسوف اسلام علامہ شمس الحق صاحب افغانیؒ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند، سابق وزیر معارف ریاست قلات بلوچستان۔ سابق صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سابق شیخ الحدیث والتفسیر اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ، سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور، خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ قدس اللہ سرہ العزیز واصل بحق ہوئے جو پچھلے دو ایک سال سے صاحب فراش تھے۔ ۱۶/اگست صبح نو بجے سانحۂ ارتحال پیش آیا، نماز جنازہ اسی دن ۶ بجے شام ان کے گاؤں ترنگ زئی تحصیل چارسدہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے پڑھائی اور نماز کے بعد حاضرین سے جس میں بڑی تعداد علماء وصلحاء کی تھی علامہ مرحوم کے فضائل و مناقب پر مختصر خطاب فرمایا۔ دارالعلوم حقانیہ سے بڑی تعداد میں اساتذہ وطلباء نے بھی خصوصی بسوں کا انتظام کر کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ غروب آفتاب کے وقت اس علامۂ دوران کی تدفین عمل میں آئی، شام کی ڈھلنے والی تاریکیوں میں لوگ واپس ہو رہے تھے تو ارباب صدق وصفا اور اصحاب علم وفضل کے اس قدر تیزی سے رخصتِ سفر باندھنے پر کتنے اصحاب درد تھے جن کے دل ڈوبتے جا رہے تھے اور زبانِ حال سے کوئی کہہ رہا تھا۔

اٹھے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹے جاتے ہیں میرے دل کے بڑھانے والے

مولانا کی ولادت ۷/رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء ایک علمی خاندان میں ہوئی، نام شمس القمر رکھا گیا جو بعد میں شمس الحق سے تبدیل ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سرحد و افغانستان کے مشاہیر علم وفضل سے علوم وفنون کی تکمیل کی، ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچ کر ۱۹۲۱ء میں علامۃ العصر سید انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ہندوستان کے ارتدادی فتنوں کی سرکوبی میں لگ گئے اور شُدھی تحریک کی روک تھام میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ ابتداء سے ہی علمی میدان کے شہسوار تھے۔ علم وفضل کے ہتھیار سے آریہ سماج کے مشہور مناظرین کو بڑے بڑے

اجتماعات میں عبرتناک شکست دی۔ اس کامیابی پر ان کے اکابر اساتذہ نے دلی مسرتوں کا اظہار کیا اور دل کھول کر دعائیں دیں۔

اس کے بعد برصغیر کے تقریباً ایک درجن علمی اداروں، مدارس اور جامعات میں اسلامی علوم وفنون کی تدریس میں منہمک رہے جن میں سرفہرست دارالعلوم دیو بند ہے جہاں آپ نے تفسیر کی اعلیٰ کتابیں پڑھائیں۔ ۱۹۳۹ء میں آپ کو ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات کی وزارتِ معارف کی پیشکش کی گئی اور اکابر کے مشورہ پر قضاو تعلیم کی وزارت کا قلمدان سنبھالا۔ پورے گیارہ سال آپ اس منصب پر فائز رہے۔ اس دور کے نظام عدل وقضا اور عدالتی قوانین سے متعلق آپ کی وابستگی کے نتیجہ میں دنیائے علم کو ''معین القضاۃ والمفتیین'' کی شکل میں قضاء وافتاء سے متعلق فقہ اسلامی کے چیدہ اصول وقواعد کا مجموعہ ملا جس نے اہل علم سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ اسلام کے ضابطۂ دیوانی وفوجداری پر بھی آپ نے گرانمایہ کام کیا۔ انگریز کے چھوڑے ہوئے عدالتی نظام کے سائے سمٹنے کی بجائے پھیلتے چلے گئے اور ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کے قیام کے ساتھ ان کے زیر نظم علاقے پر بھی اس نظام کے منحوس سائے چھا گئے اور شرعی قوانین کی بالادستی قائم نہ رہ سکی تو آپ نے استعفاء دے دیا کہ کسی شرعی عدالت پر رائج الوقت عدالتوں کی برتری کو شریعت کے وقار اور شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

تقسیم ہند کے بعد جب دیو بند کے راستے مسدود ہو گئے اور بانی دارالعلوم حقانیہ حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کو باامرِ مجبوری گھر ٹھہرنا پڑا تو حضرت مرحوم نے اپنے ریاستی فرائض قضاء وتعلیم میں شریک کرانے کے لئے مولانا موصوف کو باصرار بلوچستان بلانا چاہا، بات چل رہی تھی، اُدھر حق تعالیٰ نے مولانا مدظلہٗ سے دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں ایک عظیم کام لینا تھا شاید اس لیے یہ دعوت قبول نہ ہو سکی۔ ناچیز کے علاوہ بہت سے حضرات کو یہ حسرت رہی کہ کاش علامہ مرحوم بھی (بلوچستان کی مصروفیت کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو) درس وتدریس کا روائتی سلسلہ اپنے مادر علمی دارالعلوم دیو بند اور اس کے بعد ایسے ہی اہم دینی مدارس میں جاری رکھے ہوتے اور ریاستوں اور عصری جامعات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب کے دینی خدمات کی بجائے کسی مدرسہ کے دارالحدیث یا خانقاہ کی مسندِ ارشاد ہی پر متمکن رہتے تو ان کے خداداد افادہ کا حلقہ اور فیض واستفادہ کا دائرہ بہت ہمہ گیر اور عالمگیر ہوتا اور وہ تلامذہ اور مستفیدین کے اعتبار سے اپنے وقت کے علامہ کشمیری اور علامہ عثمانی بن کر دنیا سے اُٹھتے کہ ان کی عبقری شخصیت اور علوم کی جامعیت کے شایان شان یہی تھا۔

بلوچستان اور بہاولپور کے دور اُفتادہ اور لگی بندھی ذمہ داریوں اور محدود فرائض نے ان کے علم

وفضل کے بحر ذخار کو ایک گونہ بند لگا دیا۔ مگر پھر بھی تقریر و خطابت، تصنیف و تالیف بالخصوص عصر حاضر کے جدید مسائل پر قومی اور عصری کمیٹیوں اور مجالس مذاکرہ کی شکل میں آپ نے علم اور دین کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔ شاید اس میں بھی اللہ کی یہی حکمت تھی کہ آپ مدارس کے شبانہ روز تدریسی بندھنوں سے آزاد رہ کر ان دائروں میں اسلام کی ترجمانی کر سکیں، جو ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی اور اس لحاظ سے آپ کا مقام عصر حاضر کے علماء میں بہت ممتاز تھا کہ اسلامی مباحث و علوم کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے آپ عصرِ حاضر کے اٹھائے گئے شبہات پر سیر حاصل روشنی ڈالتے اور عہدِ جدید کے اذہان اور اس دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے۔ ہر تحریر و تقریر کا محور اور مرکزی نقطہ اسلامی مباحث و عقائد کی حقانیت کو کلامی انداز میں اُجاگر کرنا اور دلنشین کرانا ہوتا، وہ شریعت اسلامیہ کے لازوال عقائد و اصول کو نہایت معقول اور محققانہ انداز میں پیش فرماتے۔ مغرب اور مغربیت پر ان کی نشتر زنی بڑی جارحانہ ہوتی۔ وہ اس ضمن میں جب مسٹر اور ملا کا موازنہ کرتے تو عجیب نکتہ آفرینی فرماتے کہ مجمع متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ان کا اندازِ درس بھی محاضرات اور لیکچرز کا ہوتا جسے ان کے تلامذہ نوٹ کرتے، وہ کسی بھی مشکل اور اہم موضوع کے عجیب عجیب عنوانات قائم کر کے تحلیل و تجزیہ کرتے۔

ماہنامہ الحق کو سب سے زیادہ یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے اپنے آغاز ہی سے علامہ مرحوم کے علوم و مقالات کو پہلی بار شائع کیا۔ حضرت علامہؒ کے اکثر تصانیف و رسائل کا زیادہ تر حصہ اولاً الحق میں شائع ہوتا رہا اور اس طرح مولانا کے علمی فیوضات سے بیرونی دنیا کو استفادہ و تعارف کا موقع ملا۔ اُن کی مادری زبان پشتو تھی مگر اُردو میں نہایت سُستہ تقریر فرماتے، تحریر کے ساتھ تقریر کا ایسا ملکہ کم ہی پشتون علماء کو حاصل ہوا۔ وہ کسی علمی موضوع پر گفتگو کرتے تو ساری مجلس پر اسلامی عظمت و حقانیت کا رنگ چھا جاتا۔ وہ اسلام کی حقانیت کے ترجمانی اور علمی دنیا کا سرمایۂ افتخار تھے اور جب چلے گئے تو اپنا بدل اور نظیر نہیں چھوڑ سکے کہ اس دور میں ایسے وسیع النظر علماء تو کیا ان سے بہت کم درجے کے اصحاب علم و دانش کا وجود عنقا بنتا جا رہا ہے۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی عظمتوں کی طرح وہاں بھی بلند و ارفع درجات سے نوازے اور انکے پسماندگان کو صبر جمیل نصیب ہو۔

اللھم افض علیه من شابیب رحمتك وعفوك واد خله الجنة واستقبنا من علومه وبر کاته آمین (الحق گست ۱۹۸۳ء)